دعوت و تبلیغ نمبر ۱۰
بار اول ۲۰۰۰

تطہیر رمضان

یعنی

ماہ رمضان کے آداب و احکام

وعظ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت
دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون پرنسپل آفس ۵۳۴۲۸
فون کامران بلاک ۴۳۰۹۸۱

اپریل ۱۹۹۰ء ، رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

وعظ

تطہیرِ رمضان

یعنی

ماہِ رمضان کے آداب و احکام

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ہادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ۔

امّا بعد: بوجہ قربِ رمضان شریف مناسب ہے کچھ احکام اس کے بیان کر دیئے جائیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے اس کے بیان کی تو ضرورت نہیں ایسے ہی تراویح سنّتِ مؤکدہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے اس کے بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں

مُنکراتِ روزہ

البتہ ضروری مضمون یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس مہینہ میں کچھ منکرات[1] بڑھا دیئے ہیں اور وجہ اس کی یا تو عدم علم ہے یا قصور علم یا جانتے بھی ہیں مگر احتیاط نہیں کرتے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ میاں نے اس مہینہ میں ان چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو پہلے حلال تھیں۔ کیا یہ اس بات پر دال نہیں کہ جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس میں اور شدت زیادہ ہو جائے گی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے تو علت بیان کی روزہ رکھنے کی لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ اس واسطے ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب ہر شخص غور کرے کہ قبل رمضان میں اور رمضان میں کچھ فرق اس کی حالت میں ظاہر ہوا اس نے نظر بد کو یا غیبت کو چھوڑ دیا یا نہیں سو کچھ نہیں دونوں حالتیں یکساں ہیں کسی بات میں بھی کمی نہیں ہوتی اسباب کھانا سو اس کے بھی وقت بدل دیئے۔ مقدار میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ شارع علیہ السلام کا تو مقصود یہ تھا کہ منکرات میں کمی ہو۔ مگر لوگوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ اہل تحقیق تو کھانے تک میں بھی کمی کر دیتے ہیں۔ اس مہینہ میں بہ نسبت شعبان کے مگر اسکی مقدار کچھ معین نہیں ہو سکتی ہے۔ جتنا شعبان میں کھاتے تھے اس سے کم کر دیا بعض نے صرف بقدر لامیوت[2] کھا کر روزہ رکھا۔ جب ہی تو کچھ اثر پایا، ہمیشہ اچھی طرح کھایا ایک مہینہ عبادت ہی کے واسطے سہی۔ حاصل یہ کہ ان لوگوں نے اکل[3] میں بھی کمی کر دی۔ مگر یہ بات مندوب[4] خواص کے لیے ہے یہ ہر شخص سے نہیں ہو سکتا مگر معاصی تو چھوڑ دو۔ خیر کھانے کے لیے جواز کا مرتبہ تو ہے۔ معاصی کے واسطے جواز بھی نہیں۔ ہم برخلاف اس کے دن بھر معاصی میں مشغول رہتے ہیں بلکہ بعضے تو عصیان میں اور زیادہ

---

[1] منکرات۔ بری اور ناروا باتیں
[2] بقدر لامیوت۔ اتنی مقدار جس سے کہ انسان زندہ رہ سکے
[3] اکل۔ کھانا
[4] مندوب۔ یعنی مستحب

ہو جاتے ہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ صبح کی نماز اس مہینہ میں اپنے وقت پر ہوتی ہے یا نہیں اس نماز کی تو وقت سے تاخیر کرنے کی عادت ہو گئی ہے۔ بہتیروں کی تو قضا ہوتی ہے اور قضا نہ بھی ہو تو اس قدر تاخیر تو ہوتی ہے جس سے جماعت فوت ہو جاتی ہے خوش ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا بڑا تعجب ہے کہ نماز کو چھوڑ دیا۔ روزہ کیا کفایت کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کو اس قدر بڑھا دیا کہ کس قدر ضعف ثواب کا وعدہ فرما دیا اور ہم اس قدر گناہ کرتے ہیں کہ حسنات[1] باوجود اتنے بڑھائے جانے کے بھی سیئات[2] کے برابر نہیں ہوتیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ حسنات کی تعداد بڑھی ہوئی رہتی۔ اس کو بھی جانے دیجئے برابر تو رہتی کہ پھر بھی حسنات بموجب سبقت رحمتی علی غضبی[3] کے غالب ہو جاتیں عجب باوجود اضعافاً مضاعفہ[4] ہونے کے بھی نیکیاں گناہوں کے برابر نہیں ہوتیں بلکہ گناہ بڑھتا رہتا ہے تو پھر کیا حشر ہوگا۔ اچھا اس کو بھی جانے دیجئے۔ اگر ہمیشہ ہم اس پر قادر نہیں کہ معاصی[5] کو گھٹا دیں رمضان میں تو ایسا کر لیا جائے۔

ماہ رمضان کی عبادت کا اثر تمام سال رہتا ہے

تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ عبادت کا اثر اس کے بعد گیارہ مہینے تک رہتا ہے جو کوئی اس میں کوئی نیکی بہ تکلف کر لیتا ہے اس کے بعد اس پر بآسانی قادر ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی گناہ سے اس میں اجتناب[6] کر لے تمام سال بآسانی اجتناب کر سکتا ہے اور اس مہینہ میں معصیت سے اجتناب کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں پس جب شیاطین قید ہو گئے معاصی آپ ہی کم ہو جائیں گے۔ محرک کے قید ہو جانے کی وجہ سے، اور یہ لازم نہیں آتا کہ معاصی بالکل مفقود ہی ہو جائیں کیونکہ دوسرا محرک یعنی نفس تو باقی ہے اس مہینہ میں وہ معصیت کرائے گا مگر وہاں کم اثر ہوگا کیونکہ ایک ہی محرک رہ گیا۔ اس میں ایک مہینہ کی مشقت گوارا کر لی جائے کوئی بات نہیں۔ غرض اس میں ہر عضو کو گناہ سے بچایا جائے۔

---

[1] حسنات - نیکیاں
[2] سیئات - برائیاں
[3] سبقت رحمتی علی غضبی - میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی
[4] اضعافاً مضاعفہ - کئی کئی گنا، دگنا چوگنا
[5] معاصی - گناہ
[6] اجتناب - پرہیز

کذب

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک ان میں سے کذب[1] ہے جس کو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے اور کذب وہ شے ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں اور پھر اس کو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں۔ ذرا سا بھی لگاؤ کذب کا ہو جائے بس معصیت ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ لے یہاں آؤ چیز دیں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آ جائے تو کیا چیز دو گی۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں فرمایا اگر تمہاری نیت میں کچھ نہ ہوتا تو یہ معصیت لکھی جاتی۔ حضرات! کذب یہ چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں اگر اس سے احتراز نہ ہو سکے تو کذب مضر سے تو بچنا چاہیے۔

غیبت کے نتائج

اور پھر روزہ میں دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اس کے منہ پر کہہ دیں۔ منہ پر عیب جوئی کرو گے تو بہت اچھا کرو گے اور پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہے۔ بلکہ اگر منہ پر برا کہو گے تو مار بھی تو پاؤ گے۔ وہ شخص تمہیں برا کہے گا یا اپنے اوپر سے اس الزام کو دفع کرے گا پیچھے برائی کرنا تو دھوکے سے مارنا ہے۔ یاد رکھو جیسا کہ دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو ہے چنانچہ جب آبرو پر آ بنتی ہے تو مال تو کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی۔ پھر آبروریزی کرنے والا کیسے حق العبد[2] سے بری ہو سکتا ہے مگر غیبت ایسی رائج ہوئی ہے کہ باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں۔ اس سے بچنے کی ترکیب تو بس یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا اصلاً ذکر ہی نہ کیا جائے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جاوے کسی کا تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہنچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں اور اس طرح ایک خیر اور ایک شر مل جانے سے وہ خیر بھی کالعدم[3] ہو گئی اور حضرات اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے۔ دوسرے کی کیا پڑی۔ علاوہ بریں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی سخت مضر ہے جب دوسرا آدمی سنے گا تو عداوت پیدا ہو جائے گی اور پھر کیا ثمرات کس کے ہوں گے۔

اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں۔ سب سے بچنا ضروری ہے۔

---

[1] کذب: جھوٹ   [2] حق العبد: بندے کا حق   [3] کالعدم: گویا موجود ہی نہیں۔

غلطی اُن لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ حلال رزق نہیں ملتا

ان کے علاوہ ایک گناہ جو اس روزے کے متعلق ہے افطار علی الحرام ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینہ میں حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور پھر ان پھر تو ایسے لوگ بھی تھوڑے رہ گئے ہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں اور دراصل بعض لوگوں نے خبط میں ڈال دیا ہے یوں کہتے ہیں کہ رزق حلال تو بالکل نہیں جاتا سوائے اس کے کہ دریا میں سے مچھلی شکار کر کے کھائی جائے یا سبزی کھا کر یا گھاس چر کر پیٹ بھر لیا جائے اور کچھ قصے اس کے متعلق مشہور کیے ہیں وہ ایک بزرگ کا قصہ بیان کیا کرتے ہیں کہ ان کا بیل لڑتے لڑتے دوسرے کے کھیت میں چلا گیا تو انہوں نے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا کہ نہ معلوم دوسرے کے کھیت کی مٹی جو میرے بیل کے کھر میں لگ کر بلا اجازت چلی آئی کون سے دانہ میں شامل ہو گئی ہو۔ اگر یہ قصہ ہوا ہے تو وہ صاحب حال ہے دوسروں کے لیے ان کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ قصہ، اتنا مبالغہ کرنا تقویٰ کا ہیضہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب اتنے شبہ کو بھی حرام میں داخل سمجھا جائے گا اور اس سے بچنا ظاہر ہے کہ مشکل ہے تو گمان یہ ہوگا کہ حرام سے بچنا مشکل ہے لہٰذا سب حراموں میں مبتلا ہو گئے اور حلال کو بالکل چھوڑ ہی دیا میں کہتا ہوں کیا کنز و ہدایہ بالکل لغو ہی ہیں جب یہی بات ٹھہری کہ حلال کا وجود ہی نہیں تو ناحق اتنا بسط[1] کیا صرف اتنا کافی تھا کہ الحلال لا یوجد[2]۔ ہرگز نہیں جس پر کنز و ہدایہ فتویٰ دیں وہ حلال ہے میں کہتا ہوں کیا سب علما حرام خور ہیں ایک بزرگ تھے مولانا مظفر حسین صاحب ان کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو مال حرام دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہو جایا کرتی تھی اور پھر بھی وہ دونوں وقت کھانا کھاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں ضرور ہے ورنہ وہ کیا کھاتے تھے اگر فرض کیجیے کہ مالِ حرام ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو یہ نفرت نہیں ہو سکتی یا یہ کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہوں گے تو کھانا فضول ہے۔

منشاء اس قول کا کہ حلال روزی نہیں ملتی ہے

غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے جو مسائل دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے

---

[1] بسط۔ پھیلاؤ　[2] الحلال لا یوجد۔ حلال کا وجود ہی نہیں

مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں اور یہ فساد پیدا کہاں سے ہوا کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے عادی ہو گئے۔ اب جو کسی نے منع کیا تو اس کا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا بس کہہ دیا کہ میاں یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھی حلال کو حرام ہی کہا کرتے ہیں ان کی تو غرض یہی ہے کہ مال نہ رہے، اور مسلمانوں کو ترقی نہ ہو۔ بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیز حرام ہی ہے حلال کا وجود ہی نہیں جو حلال تھا وہ بھی حرام ہی سمجھنے لگے اور خوف سے مفتی کے پاس جانا چھوڑ دیا کر دیکھنا چاہیے کہ ہمارے کس معاملہ کو حرام بتا دیں یا حلال بتائیں تو ہماری خاطر ہی سے شاید کہہ دیں اور فی نفسہٖ حرام ہی ہوگا کیونکہ حلال کا تو وجود ہی نہیں سو یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جس کو مفتی مباح[1] کہے وہ عند اللہ مباح ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔ شیطان کے بہت سے جال ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ سب حرام ہے۔ پھر بعض لوگ حرام و حلال میں خواہ مخواہ شبہ کر کے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اس میں وسوسہ ہے تو چھوڑ ہی دو چاہے مفتی کتنا ہی کہے کہ یہ حلال ہے مگر وہ اس کے چھوڑنے ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں۔ نہیں۔ اس فعل میں کچھ حرج نہیں جو مباح ہے۔ اہل علم سے پوچھ لو کہ کوئی وجہ اس میں اباحت کی بھی ہے وہ کوئی ظالم نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ یہی چاہتے ہوں کہ تم کو دقت میں ڈالیں اور یہ خیال مت کرو کہ وہ حلال موجود ہی نہیں۔ پوچھ لو پھر جس سے وہ منع کریں اس پر عمل کرنے کے لیے ہمت باندھو۔

نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی ہی کرے تو اس سے یوں کہو کہ یہ جو حکام وقت کے احکام ہیں ان کو کس طرح مانتا ہے اسکو بھی حاکم حقیقی کا حکم سمجھ کر مانو پھر دوسرے لوگ بھی ان شاء اللہ تم سے معارضہ نہ کریں گے۔ میرا ہی خود قصہ ہے کہ کبھی زیور بنواتا تو چونکہ چاندی کے واسطے روپیہ دینے سے ربوٰ[2] لازم آجاتا ہے اس لیے جب کبھی زیور بنوانے کا اتفاق ہوتا تو میں چاندی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دیدیتا تو ایک مرتبہ تو اس نے کہا روپیہ دے دو پھر تول کر حساب کر دینا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ یہ میرے دین کے خلاف بات ہے۔ پس اس نے اس کو خوشی سے منظور کر لیا۔ تو لوگ سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہیے اور اللہ میاں کی طرف سے اسباب ویسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خیال کر لیجیے کہ حاکم جب کسی کو امر شاق کا

---

[1] مباح - جائز   [2] ربوٰ - سود

حکم دیتا ہے تو اس پر ماشور[1] کی اعانت بھی کیا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ دل کو مضبوط کرو اور اس پر عزم کر لو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کریں گے۔ ہاں اس پوچھنے سے بعض صورتیں عدم جواز کی بھی نکلیں گی اور اس میں آمدنی کبھی کم ہو جاوے گی تو خوب سمجھ لو اور تجربہ کر لو کہ اس کم ہی میں برکت ہو جاوے گی۔

رزق میں برکت کے معنی

اور اس کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گیہوں لائے اور گھر پہ آ کر دو من اترے ممکن تو ایسا بھی ہے ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنوا رہے تھے اور ایک تھیلی میں روپیہ رکھے تھے۔ اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں ہی سے ہاتھ ڈال کر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا۔ حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں۔ بلکہ اس کے معنی اور ہیں اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمہارے ہی صرف میں آئے بیماری میں خرچ نہ ہو اور ایسے ہی فضول خرچیوں میں مقدمات میں لاطائل[2] تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمہاری ذات پر صرف ہو چاہے تھوڑا ہو اس سے بہتر ہے کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو اور آخر میں یہ کہتے ہوں کہ نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و ما فیہا[3] سے بہتر ہے اللہ میاں ہیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی۔ مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو۔ حضرت! اللہ میاں کی رضا وہ چیز ہے کہ جس کی نسبت ایک بزرگ کہتے ہیں

ع بہان اے آنکہ جز تو پاک نیست

دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر ان کی خوشنودی دیرپا نہیں۔ ذرا سی بات پہ بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم شکور[4] ہیں۔ خیال کیجئے اس لفظ کو۔

ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لے جایئے اور وہ اس کی نسبت منظوری یا عدم منظوری کچھ ظاہر نہ کرے مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دے دے کہ رکھ لو تو لے جانے والے کے دماغ آسمان پر پہنچ جاویں گے اور گنگناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا ہے۔ اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لے جاتے ہیں۔ اور ذرا ان

۱؎ ماشور، جس کو حکم دیا گیا ۲؎ لاطائل، بے فائدہ ۳؎ دنیا و ما فیہا۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ۴؎ شکور، قدردان

اعمال کو بھی دیکھ لیجیے کہ وہ کس قابل ہیں۔

ہماری نماز کی مثال

ایک نماز ہی کو لے لیجیے۔ اس وقت ظہر کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں اللہ میاں سے باتیں کرنے کو اور کرتے ہیں کس سے گاؤ خر سے۔ یا یوں مثال دیکھئے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو دربار میں حاضری کی اجازت دی بلکہ یوں کہیئے کہ زبردستی طلب کیا (ہم لوگ ایسے بھلے مانس تو کاہے کو ہیں کہ حاضری کی اجازت ہی سے دربار میں پہنچنے کو غنیمت سمجھیں، زبردستی بلائے جاتے ہیں بلکہ پابہ زنجیر ہو کر دربار میں پہنچے) اور کام ہم سے کیا ہے کہ بادشاہ کو ان پر رحم آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ان سے دربار میں کچھ گفتگو کرے کہ درباریوں اور تمام رعایا میں انکی عزت ہو جائے اپنا کچھ نفع مقصود نہیں ہے

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ہائے ...... من نکردم خلق تا سودے کنم ؛ بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

اللہ میاں کا کیا نفع ہے ہمارے پیدا کرنے یا عزت دینے سے ...... خیر! ان حضرات نے کیا مکافات کی اس بلانے کی کہ پہنچتے ہی منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے اور کانوں میں انگلیاں دے لیں مگر بادشاہ تو کم ظرف نہیں ہے اس گستاخی پر نظر نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے اپنے خادموں کو کہ اس بیوقوف کی انگلیاں کانوں سے نکال دو بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے اور منہ اس کا ہماری طرف کر دو اور جلدی سے کچھ شفقت آمیز کلمات زبان سے فرمائے تاکہ ایک دفعہ تو اس کے کان میں پڑ جائیں دیکھیں تو معلوم کیسے نہیں ہوتا مگر یہ تو قسم کھا کر چلے ہیں کہ ان سنی ہی کریں گے۔ جھٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے جلدی سے اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں پڑ جائے اس جگہ سے بھاگ اصطبل میں گھوڑے کے پاس جا پہنچے وہاں آدمی پکڑنے کے لئے پہنچے، گدھے کے پاس جا پہنچے۔ غرض ایک گھنٹہ بھر یہی کیفیت رہی کہ یہ بھاگا کئے اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ۔ اللہ اکبر۔ ان کے پیچھے پھرا کیا۔ مگر انہوں نے وہی کیا جو شامت اعمال سے ہونا تھا۔ اب فرمایئے کہ یہ شخص کسی سزا کا مستحق ہے یا بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہیے یہ تو اس قابل ہے اگر ایک دفعہ بھی یہ حرکت اس نے کی ہے تو توہین بادشاہ

کے جرم میں اس کو لے لیا جائے اور کبھی دربار کی حاضری کی اجازت نہ ہو۔

ہماری نماز پر سزا نہ ہونا غایت رحمت ہے

اب آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کے لیے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثنا تھوڑے سے وقتوں کے) مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں یہاں تک کہ پکڑ کر جانے کی نوبت پہنچی یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے برا بھلا وضو کیا اور باکراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے۔ کھڑے ہوتے ہی منہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں۔ وضو کا ٹینٹے کے واسطے آداب شاہی بجا لاتے میں یعنی سبحانک اللھم پڑھا، اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی اور کلام شروع کیا۔

چنانچہ الحمد للہ رب العالمین پر جواب حدیثوں میں آیا ہے ذرا سی جھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آکر دم لیا کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پھر آگئے۔ مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا ....

غرض یہی مسخراپن کیا گئے یہاں تک کہ بمشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہنچی یعنی سلام پھیرا۔ بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہم کلامی سے بچ گئے ملنے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا۔ (یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے)۔ صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہیے تھی یا نہیں، جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو کبھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا اور فوراً دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور حبس دوام کا روبکار جاری ہو جاتا۔ مگر سنیے اللہ میاں سے کیسا روبکار جاری ہوا .... وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا[1]۔ اس نے دربار میں آکر اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا .... مرجانے کی بات ہے اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں اور جو وہاں حاضر تھے انہوں نے بھی خوب

---

[1] وکان سعیکم مشکورا۔ تمہاری کوشش قابل قدر ہے۔

دکھا۔ بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے اور فرماتے ہیں ....
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ[1]۔ گویا یہ بیوقوف ہے کہ تم ہی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھے لیتے ہیں اور اس کی ویسی عزت کی جائے جو باقاعدہ آنے والے کی جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اسی طرح وحشیانہ طریق سے دربار میں جائے ہرگز نہیں بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینہ میں غرق ہو جائے گا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سیکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفاکاری کرتے ہیں مگر ادھر سے مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان لنگڑے لولے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جا سکتا ہے بد اعمالیوں) میں بھی کمی اور کوتاہی ہے بلکہ خدا تعالٰی کے محرمات کی طرف میلان ہے۔

صاحبو! ذرا شرماؤ اور عمل کرو اور حرام سے بچو۔ خاص کر رمضان کے مہینہ میں۔

تراویح کی منکرات کا بیان

یہ منکرات تو روزہ کے ہوئے۔ اب ایک عمل اور ہے خاص رمضان کا جیسے دن کا عمل روزہ ہے ایسے رات کا عمل قیام ہے۔ اس میں یوں خبط کر دیا کہ تراویح کی بیس رکعت گنتی میں تو پوری کر لیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان میں توریت پڑھی جاتی ہے یا انجیل پڑھی جاتی ہے۔ یا تو شروع کا حرف سمجھ میں آتا ہے یا رکوع کی تکبیر۔ ایک حافظ کا قصہ ہے کہ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے جہاں بھولے وہاں کچھ اپنی تصنیف سے پڑھ دیا۔ بڑی تعریف ہوتی رہی۔ مقتدیوں کو اکثر کہیں متشابہ نہیں لگتا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبو! اللہ میاں کو دھوکا مت دو۔ بیس رکعتیں گن کر ذرا ڈھنگ سے بھی تو کر لو۔ ایک یہ ظلم ہوتا ہے کہ حافظ مقتدیوں کو بھگاتا ہے اس طرح کہ قرأۃ کو اتنا طول دیتا ہے کہ کوئی ٹھہر ہی نہ سکے۔ یا پانچ پانچ سپارے ایک ایک رکعت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] اولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات۔ وہ وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو خداوند کریم نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

علیہ وسلم تو فرماتے ہیں۔ بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا۔ خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔ ہاں ایسا ہی شوق ہے تو تہجد میں پڑھو جتنا چاہو اور اس میں جس کو جی چاہے شریک ہو جائے۔ مگر اس میں بھی امام کے علاوہ تین سے زیادہ جماعت میں نہ ہوں کہ فقہاء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ پھر نفل میں فرض کا سا اہتمام ہو جائیگا۔ بعضے لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں۔ اس میں تو کئی بدعتیں ہیں۔ غور کرکے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین۔ امام تو واہ واہ کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منھ پر تعریف کردی تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا حدیث شریف میں منھ پر تعریف کرنے والے کے لیے حکم ہے کہ اس کے منھ میں خاک جھونک دو اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرنے والے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھا یاد نہیں۔ اور مہتمم تو سامعین میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ چائے پانی ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قرأت و سماعت قرآن کہ سُنے میں البتہ چائے سے مدد مل جاتی ہے سماعت اور قرأت میں۔ مگر جب ذریعہ مقصود میں مخل ہوئے تو ذریعہ کہاں رہا اور یہ بھی جانے دیجئے مہتمم صاحب کو تو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ جانے یہاں فلانی مسجد کے اہتمام اچھا رہا۔ بس چائے پانی اچھا رہا مگر اصل شے تو اچھی نہیں رہی اور رہے سامعین تو انصاف سے کہ دیکھئے کہ وہ قرآن شریف سننے کے لیے آتے ہیں یا نماز کے ساتھ دل لگی کرنے کو کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں۔ کچھ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں کبھی کچھ لوگ بیٹھ بھی نہ سکے تو نیت توڑ کر لیٹے لیٹے سُن رہے ...... کریں بھی کیا بچارے گھنٹوں تک کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں اور بعضے جو اپنے اوپر جبر کرکے کھڑے بھی ہیں تو امام کی زلتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں وہ خواہ کیسی ہی غلطی کرتا چلا جائے بتلا نہیں سکتے کیونکہ حرج ہوگا اور قرآن شریف ختم سے رہ جائے گا اور بعضے تو یہ غضب کرتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ سے لقمہ دیئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں اگر امام نے لیا تو نماز سب کی فاسد ہوئی اور نہ لیا تو وہ غلطی اگر مغیر معنی ہیں تو نماز فاسد ہوئی۔ اب ان سامعین کو گھنٹوں سے اپنے اوپر جبر کرنا بالکل ضائع گیا۔ علیحدہ بیٹھ کر سُنا اور یہ برابر رہا۔ اور تکلیف مفت میں ہوئی۔ غرض ختم لینے کی صورت

ے مخل۔ خلل انداز ‌ ‌ ے زلتوں۔ غلطیوں ‌ ‌ ے مغیر معنی۔ معنی کو بدلنے والا

میں بھی معصیت ابطالِ عمل[1] کی لازم آئی اور نہ لینے سے بھی نماز فاسد ہوئی ان سب صورتوں کو ملا کر آپ ہی کہہ دیجئے کہ نماز ہے یا کھیل۔ احکام ظاہری کے لحاظ سے بھی تو نماز صحیح نہ ہوئی خشوع و خضوع کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اور ایک خرابی شبینہ میں یہ بھی ہے کہ اکثر نفل کی جماعت لازم آتی ہے کیونکہ بعض ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو تراویح کی جماعت میں کرتے ہوں کیونکہ سب مقتدیوں سے یہ نہیں ہو سکتا، کہ اول سے آخر تک شریک رہیں اور اسی کو تراویح رکھیں۔ اس لئے تراویح علیحدہ پڑھ لیتے ہیں پھر نفلوں میں اس کو پڑھتے ہیں اور نفلوں میں جماعت مکروہ ہے۔ غرض بہت سے منکرات اس شبینہ میں لازم آتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حفاظ اپنا اپنا پڑھنے کے بعد مغالطہ دیتے ہیں۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سننے کو آتے ہیں اور یہ بے ادبی نہیں ہے ....

اور ایسے ہی بہت سے بدعات ہیں۔

ہاں اگر شبینہ میں ختم ہی مد نظر ہے (مگر اخلاص کو غور کر لیجئے گا) تو امر حسن ہے اس میں بھی اعلان کی ضرورت نہیں تاکہ ریاء و سمعہ[2] سے خالی رہے جتنی ہمت ہو قرآن شریف پڑھو۔ امام کو گڑبڑ میں نہ ڈالو اور سب منکرات مذکورہ سے بچو۔

عورتوں کو نامحرم کا قرآن سنانا بھی خالی از قباحت نہیں ہے

ایک غضب رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں جا کر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔ اس میں چند قباحتیں ہیں ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا قصد کرے عورت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے اجنبی عورت کی آواز مرد کے لیے اور رواج ہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کئے جاتے ہیں۔ اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے یہاں خوب بنا بنا کر ادا کرتے ہیں۔ سو عورتوں کے لیے جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اپنی اپنی الگ پڑھ لیں اور کچھ ضرورت محراب سننے کی نہیں ہے اگر حافظ ہیں تو فرادیٰ فرادیٰ اپنی تراویح میں ختم کر لیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم تر کیف سے پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہو سکے پڑھ

---

[1] ابطال عمل۔ عمل کو باطل اور غیر نفع بخش بنا دینا۔ [2] سمعہ۔ شہرت

لیا کریں۔ کیوں روپیہ خرچ کرکے گناہ مول لیا۔ دوسری بدعت اس میں استیجار علی العبادۃ[1] ہے یعنی حافظ صاحب کو اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے اور استیجار علی العبادۃ حرام ہے۔

قبر پر اُجرت دے کر قرآن خوانی کرنا حرام ہے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قبر پر حافظ کو مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی استیجار علی العبادۃ ہے اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا ہو گیا ہے علماء کو میت کا ثواب ہی بند کر دیا۔ ہم کہتے ہیں اس کا ثواب ہی نہیں پہنچتا پھر بند کیا کر دیا کیونکہ ثواب پہنچنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول عمل خیر کرنے والے کو ثواب ملتا ہے پھر اس کو اختیار ہے جسے چاہے بخش دے۔ جیسے اپنا مال جسے چاہے دے دے۔ اور یہاں خود کو ہی ثواب نہیں ملا تو بخشا ہی کیا گیا۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ثواب کی بات ہے اور اجرت لینا گناہ تو ایک معصیت اور ایک ثواب ہو گیا تو ثواب پہنچ جائے گا اور گناہ ہمارے ذمہ رہ جائے گا پھر ہم توبہ کر لیں گے تو یہ عمل حسن رہ گیا، تو ہم کہیں گے۔ انما الاعمال بالنیات[2]۔ قاری کی نیت دیکھئے کہ استحصال[3] مال ہے نہ ثواب۔ پھر ثواب کہاں، جب اسی کو ثواب نہ ملا تو دوسرے کو کیا بخشے گا۔

بعض لوگ یہاں کہتے ہیں کہ یہ استیجار نہیں کیونکہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے جو جاہے مقدر میں پہنچتا ہے۔ سبحان اللہ المعروف کالمشروط[4]، جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں کہنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا وسط رمضان ہی میں حافظ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ ثابت ہوا کہ مقصود حافظ صاحب کو اجرت ہی ہے ختم سے بحث نہیں۔ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو اور اس جگہ رواج بھی دینے کا نہ ہو تو جو کچھ ہدیہ قبول کیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ ان کو ان کی ضرورت کے موافق بطور ہدیہ کے دیا کرو اور چونکہ اس طرح سے لینے کی عادت نہیں اسی وجہ سے ان کی نیتوں میں فساد پیدا ہو گئے، اگر

---

[1] استیجار علی العبادۃ۔ عبادت پر اجرت طلب کرنا [2] انما الاعمال بالنیات۔ کاموں کا مدار تو نیتوں پر ہے۔
[3] استحصال مال۔ مال حاصل کرنا۔ [4] المعروف کالمشروط۔ یعنی جو بات یا شرط رواج کے اعتبار سے عام اور مشہور ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسے واقعۃً طے ہو چکی ہو۔

بلا سوال وحیلہ ان کو دے دیا جایا کرے تو نوبت کاہے کو آئے۔

ایک طالب علم کی حکایت

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ وہ ایک جگہ پڑھنے گئے کھانا مقرر نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک موت ہو گئی اور وہاں کے لیے تو غمی تھی مگر اس بیچارہ کے لیے عید کا دن آگیا۔ ان کا کھانا چالیس دن کے لیے مقرر ہو گیا غنیمت سمجھا۔ جب چلہ قریب ختم کے پہنچا تو فکر ہوئی کہ پھر وہی فاقہ آتا ہے اتفاق سے چلہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک اور موت ہو گئی ——— ان کے ایک چلہ کا سامان اور ہو گیا غرض اسی طرح کئی بوڑھے مرتے یکے بعد دیگرے ڈھلک گئے۔ ان طالب علم صاحب کو چاٹ لگ گئی اور ہر وقت انتظار میں رہنے لگے کہ کسی طرح کوئی مرے۔ ایک روز ایک شخص نے کہا کہ یہ طالب علم سارے محلہ کو اسی طرح کھا جائے گا ورنہ اس کا کھانا مقرر کر دو۔ کہیں اس طرح بھی اللہ میاں پہنچا دیتے ہیں غرض یہ نوبت بدنیتی کی کاہے سے پہنچی صرف مستحقین کے خبر نہ لینے سے۔ یوں تو کبھی سال بھی ڈھنگ کا نہ ملے اور جمعرات کے دن حلوے آجائیں گے اور جو کوئی جمعرات کی تخصیص سے منع کرے تو برا معلوم ہوگا۔ صاحبو! کیا آٹھ دن کا کھانا ایک دن کھا سکتے ہو۔ طالب علم غریب نے کیا قصور کیا ہے کہ ہفتہ بھر تک تو فاقہ کراؤ اور ایک دن اٹھا لا کر رکھ دو کہ کھا نہ سکے۔ چاہیے کہ ان کی خدمت کر دی جایا کرے تاکہ ان کی نیت نہ بگڑے لوگوں نے تو اس کو بالکل چھوڑ ہی دیا اور سبب اس کا یہ ہے کہ خادمان دین کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں اس لیے نہ ان کی کچھ وقعت ہے نہ خدمت اور اسی وجہ سے یہ بھی رواج ہو گیا کہ مؤذن وہی ہوتا ہے جو کسی کام کا نہ ہو لنگڑے لولے اپاہج جو کسی کام کے نہ رہیں وہ مؤذن بن جاتے ہیں پھر کوئی خبر نہیں لیتا۔ اسی وجہ سے نیتیں بگڑ گئیں ایک میت کی چادر کسی نے ایک فقیر کو دیدیا تھا۔ مؤذن کو جو خبر لگی تو فوراً پہنچے کہ واہ صاحب میرا حق اس کو دے دیا خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے اس میں بھی ہمارا حق اوروں کو دئے دیتے ہو۔

استیجار علی العبادۃ کا شیوع کیونکر ہوا اور ان کے انسداد کا کیا طریقہ ہے

بیشک یہی بات ہے بہت انتظار کے بعد یہ دن نصیب ہوتا ہے مگر اس میں اس کا قصور نہیں ہے بلکہ ایک ہند کا قصور ہے۔ کیوں یہ نوبت پہنچائی اگر ہم ان کے مقرر کر لیں کہ گیارہ روپیہ مہینہ میں

اپنے کپڑوں کے ساتھ ایک کپڑا ان کو بھی بنا دیں اور جہاں آپ کھاتے ہیں کبھی کبھی ان کی بھی دعوت کر دیا کریں اور اپنے خرچ کے روپیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی کچھ روپیہ نکال دیا کریں۔ غرض غیر رمضان میں ان کی برابر خبر گیری کرتے رہا کریں پھر رمضان شریف میں ان سے سوال کیا جائے کہ قرآن شریف سنا دیجیے تو کیا نہیں سنا دیں گے ضرور اور بخوشی منظور کر لیں گے اس میں استیجار علی العبادۃ وغیرہ بھی کوئی قباحت نہ لازم آئے گی۔ غرض اجرت پر حافظ سے قرآن شریف پڑھوانا جائز نہیں اور ایسے ہی عورتوں کو گھروں میں سننا نامناسب ہے۔ میں کہتا ہوں جب عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے تو عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف مباعدت ہے مردوں اور عورتوں میں اور یہاں اختلاط لازم آتا ہے۔ کیا حاجت ہے عورتوں کو قرآن ختم سننے کی جب شارع علیہ السلام ہی کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا تو ان کے ذمہ کچھ ضرور نہیں ہے بس الم ترکیف سے پڑھ لیا کریں اور ایک خرابی اور ہوتی ہے کہ جب ایک جگہ حافظ عورتوں کے سنانے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے تو سارے محلے سے عورتیں آکر جمع ہوتی ہیں اور اس میں خروج[1] بلاضرورت ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المراۃ عورۃ۔ عورت چھپانے کی چیز ہے۔

ختم قرآن کے دن کثرتِ چراغاں کے منکرات

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکتِ اسلام ہے۔ ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکتِ اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجیے۔ یا یوں کہیے کہ ادوار میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے خوب جان لیجیے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ سنا ہوگا کہ جس وقت شام کو گئے ہیں اور نصاریٰ کے شہر کے پاس پہنچے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے، اور سواری میں اونٹ تھا اس پر بھی خود سوار نہیں تھے غلام سوار تھا لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اظہار شوکت کا موقع ہے کپڑے کم گھوڑے پر سوار ہو جائیے

---

[1] خروج بلاضرورت ہے۔ یعنی بے ضرورت باہر نکلنا

آپ نے بہت اصرار سے منظور کر لیا۔ جب سوار ہوئے تو گھوڑے نے کودنا اچھلنا شروع کیا۔ آپ فوراً اتر پڑے کہ اس سے نفس میں عجب پیدا ہوتا ہے (اللہ اکبر کیا پاکیزہ نفس حضرات تھے اپنے قلب کا خیال ہر وقت رہتا تھا) اور اظہارِ شوکت کے جواب میں فرمایا۔ نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام ہم وہ قوم ہیں کہ اسلام سے ہی ہماری عزت ہے۔ چراغوں سے کہیں شوکت ہو سکتی ہے۔ شوکت اسلام تو اسلام ہی سے ہے۔ اسلام کو کامل کرو۔ میں کہتا ہوں ٹٹول کر دیکھو دلوں کو کہ اگر کوئی اور شخص تمہارے سوا مساجد کی زینت کر دے تو تمہیں ویسی خوشی ہوگی جیسی کہ اس بات سے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے خرچ یا اہتمام سے زینت کی ہے۔ غور کر لیجئے کہ نہ ہوگی بس معلوم ہوا کہ صرف اپنا نام جتانے کے لیے ہے۔ ورنہ اظہارِ شوکت تو دونوں حالت میں برابر تھا پھر ایک صورت میں فرحت کم کیوں ہوئی اور اس سے تو یہ روپیہ باذنِ مالک اگر مؤذن کو دے دیا جاتا تو اولیٰ تھا، مگر اس کو کیوں دیتے نام کیسے ہوتا۔ کیا یہ اسراف[1] نہیں ہے۔

اسراف کے معنی

میں کہتا ہوں اسراف کے معنی ہیں صرف المال بلا غرض محمود۔ اور غرض کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ اوّل غرض دفع ضرورت ہے یعنی ہر چیز کو اس مقدار پر اختیار کرنا کہ اس سے کم میں نہ ہو سکے

کپڑا پہننے سے تین غرضیں ہیں

مثلاً لباس کہ درجہ اول اس کی غرض کا دفع ضرورت ہے یعنی ستر[2] اور یہ غرض ٹاٹ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ دوسری غرض آسائش ہے۔ یہ لباس میں ٹاٹ سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ سردی کے موسم میں تھوڑی روئی کے لحاف سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک کافی روئی نہ ہو۔ شریعت میں اس کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ تیسری غرض آرائش ہے اور یہ بھی شریعت میں جائز ہے

ان اللہ جمیل و یحب الجمال[3]۔ پس آرائش مباح ہے اور اس میں طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کی غرض تو آرائش سے تحدیث بالنعمۃ[4] یعنی خدا تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہوا کرتی ہے اور یہ محمود ہے اور بعضوں کی غرض آرائش سے یہ ہوتی ہے کہ محتاج لوگ اس کی وسعت کو دیکھیں

---

[1] اسراف۔ فضول خرچی [2] ستر۔ چھپانا [3] ان اللہ جمیل و یحب الجمال۔ اللہ تعالیٰ جمال والا ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے [4] تحدیث بالنعمۃ۔ اظہار نعمت

اور اپنی حاجت کا سوال کریں اور ایک غرض عشاق کی آرائش ہے جیسا حضرت مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، وہ یہ کہ اللہ میاں کو اچھا معلوم ہو اور اس سے اچھی کوئی غرض نہیں ہو سکتی۔ دکھایا بھی جائے تو اللہ میاں کو۔

اور ایک غرض مباح ہے آرائش سے وہ یہ کہ اپنے ہی نفس کو لذت و فرحت ہو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ یہ غرضیں صرف مال کی تو محمود ہیں اور اغراض میں سے ایک غرض مذموم بھی ہے اور وہ ریا و نمائش ہے تو جان لو کہ اول تو نفس ریا ہی جائز نہیں پھر اس کثرت چراغ کے متعلق ایک دوسرا مفسدہ اور قابل نظر ہے وہ یہ کہ معصیت کو معصیت سمجھ کر کرنا اسہل ہے اس سے کہ معصیت کو دین سمجھ کر کیا جائے تو چراغ ریا کے لیے جلائے جاتے ہیں اور ریا معصیت ہے۔ پھر یہ لوگ اس کو دین اور ثواب سمجھتے ہیں تو کتنی سخت بات ہوئی۔ یہ قباحتیں تھیں روشنی میں۔ علاوہ بریں اہتمام کرنے والے تو روشنی ہی میں مشغول رہتے ہیں نماز میں ان کا دل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات جماعت میں شرکت بھی نہیں ہوتی۔ اس روز کی تراویح ان کو معاف ہو جاتی ہے اور صفوں کے بیچ میں پھرتے ہیں کہیں ایک صف سے دوسری صف میں جاتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی گردنوں کو پھلانگے گا اس کو پل کی طرح ڈال دیا جائے گا قیامت کے روز کہ مخلوق اس پر ہو کر گزرے گی۔ ان کے احکام کی مخالفت لازم آتی ہے روشنی میں۔ میں کہتا ہوں قرآن شریف اور احادیث کے احکام کیا اس لئے ہیں کہ بت پرست اس پر عمل کریں یا نصاریٰ عمل کریں اور مسلمان اپنے ہاتھوں میں لے کر بس فخر ہی کر لیا کریں۔

کچھ بعید نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں شکایت فرما دیں "یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"۔ قرآن کو صرف اپنے گھروں میں رکھنا اور زبان سے پڑھنا کافی نہیں بلکہ جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو بھی دیکھو اور اس پر عمل کرو۔

ختم کی مٹھائی کے منکرات

اور ایک منکر ختم کے دن شیرینی کا تقسیم کرنا ہے اور اس کا منکر ہونا اگرچہ خلاف ظاہر ہے مگر میں کھلائے دیتا ہوں۔ یہ مٹھائی اگر ایک شخص کی رقم سے آتی ہے تو اس کا مقصود دین و دنیا، و شہرت اور

لے سہل۔ زیادہ آگاہ

اختیار ہوتا ہے اور اگر چندہ دستے ہوتی ہے تو اس نے تحصیل میں جبر سے کام لیا جاتا ہے اور جبر جیسا ایلام[1] بدن سے ہوتا ہے ایسا ہی ایلام قلب سے بھی۔ جب دوسرے کو دبایا تو یا جبر ہی کیا شہر رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا حکم بھی غصب کا سا ہے جو لاٹھی کے زور سے ہو۔ اللہ میاں اس تھوڑے ہی میں برکت دیتے ہیں جو رضا و خوشی کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا خیال بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں۔

مساجد کا استحکام ضروری ہے نقش و نگار ضروری نہیں بلکہ ناجائز ہے

اکثر مسجدوں کے لیے بھی لوگوں سے محصّل[2] کی وجاہت کے ذریعہ سے وصول کرتے ہیں پھر اس میں بھی بعضے محض فضول زینت کے لئے جس کی ممانعت آئی ہے اگرچہ بے ہی مال سے ہو۔ ہاں استحکام[3] منع نہیں ہے۔ مصالحہ عمدہ لگایا جائے۔ معمار تجربہ کار ہوں۔ اینٹ پختہ ہو۔ آرائش بالطبع کسی قدر ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی تو کسی درجہ میں ضرورت ہی نہیں کہ لوگوں سے غصب کر کے آرائش میں خرچ کیا جائے۔ مسجد کچی بھی ادائے نماز کے لیے کافی ہے بلکہ جو مقصود ہے یعنی خشوع وہ چھپر میں پکی مسجد سے کچھ کم نہیں ہوا ہوتا بلکہ اس کے تو نقش و نگار میں ہی خیال بٹ جاتا ہے اور وہ اس سے محفوظ ہے تو جب اصل مقصود ہی حاصل نہ ہوا تو یہ تزئین کیا کرے گی۔ ایسا ہی حال ہے مٹھائی میں کہ اس میں بھی کہیں جبر کہیں تفاخر ہوتا ہے اور اس کا امتحان یوں ہو سکتا ہے کہ اگر وسط صلوٰۃ میں آدمی زیادہ جمع ہو جائیں تو مٹھائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔ نمازیوں کو بھی اور مہتممین کو بھی۔ مہتممین کو تو اپنی آبرو کی پڑ جاتی ہے اور نمازیوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اب ایک ہی ایک بتاشہ ملے گا۔ خشوع تو کوسوں دور گیا۔ مٹھائی کیا آئی کہ اچھے گناہ چپکا لائی۔ علاوہ بریں اکثر عام بے نماز لوگ آتے ہیں اور تعجب نہیں کہ بعضے جنب[4] بھی ہوں۔ پھر لوگ باتیں کرتے اور مغالطے دیتے ہیں، اور لغویات بکتے ہیں، غیبتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا ظلم سہتے ہیں۔

---

[1] ایلام۔ تکلیف دینا، دکھ پہنچانا [2] محصّل۔ حاصل کرنے والا [3] استحکام۔ مضبوطی
[4] جنب۔ وہ شخص جس پر غسل واجب ہو

مولد شریف کی مٹھائی بھی ایسی ہی ہے

یہی حال ہے مولود شریف کی مٹھائی کا۔ بعضے لوگ اس میں عرب کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اول تو کسی کا فعل حجت نہیں، پھر تم اپنے فعل کو ان کے فعل پر قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی تو ایسی بے تکلف عادت ہے کہ جب کچھ آدمی رہ جائیں اور مٹھائی ختم ہو جائے کہہ دیتے ہیں خلاص، یعنی ہو چکی۔ ان کو یہاں کی طرح آبرو وغیرہ کی فکر نہیں ہوتی جس کو پہنچ گئی پہنچ گئی، نہ پہنچے تو کچھ خیال نہیں۔ پس کہاں تمہارا فعل اور کہاں ان کا فعل ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

میں کہتا ہوں شیرینی کی ایجاد کی وجہ اصل میں اظہار مسرت ہے، شکراً للہ علیٰ حصولِ النعمۃ۔ لیکن جب مباح* میں ایک منکر منضم ہو جائے بلکہ مستحب میں بھی تو اس کا ترک ضروری ہے اور اس سے تو یہ بہتر ہے کہ محتاجوں کو دے دیا جائے۔ جو روپیہ مٹھائی میں صرف ہوتا ہے محتاج کی خبر گیری بالاتفاق امر حسن ہے۔ تمام زمانہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہوگا اور نہ منکرات لازم آئیں گے جو فاتحہ میں مخل تھے اور شیرینی میں فی نفسہ کچھ حرج نہیں بلکہ حرج اس ہیئت میں ہے۔ بلکہ اس ہیئت کے ساتھ بھی فسادات دور ہو جائیں، فساد لازم بھی اور فساد متعدی بھی۔ اور اس کے لیے پچاس برس سے کم مدت کافی نہیں ہوتی، جب کہ اصلاح کا سلسلہ برابر جاری رہے اور اصلاح میں اس وقت یہ کافی نہیں کہ خاص لوگ منکرات سے بچ جاویں کیونکہ عوام اپنے فعل کے لیے انہی کو سند گردانیں گے اور عوام سے جلدی ازالہ منکرات کی توقع نہیں۔ پس اس وقت اصلاح یہ ہے کہ یہ عمل بالکل ہی ترک کر دیا جائے اور پھر اصلاح عقیدہ کا سلسلہ جاری رہے جب عام طور سے عقیدے درست ہو جاویں، تب میں بھی اجازت دے دوں گا۔

---

* مباح جائز

لیکن اب تو بس ترک ہی کرایا جاوے گا غور کر لیجئے۔ اور لاتقربوا الصلوٰۃ کا قصہ نہ کیجئے جہاں شیرینی کا جواز ہے وہاں ان منکرات کی حرمت بھی ہے اور جب کہ دونوں جمع ہیں حرمت ہی کو ترجیح ہوگی۔

عید کے دن کی ایک بدعت کا بیان

منجملہ اور رسوم کے بعض قصبات میں ایک یہ رسم ہے کہ عید کے دن سحری کے وقت اذان فجر کا انتظار کرتے ہیں اور اذان کے وقت کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو۔ پھر کچھ کھاتے ہیں تو ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا۔ شوال کی پہلی رات بھی گزر لی اور ان کے یہاں ابھی روزہ ہی ہے حدیث شریف میں تو الفطر لرؤیتہ اور ان کے یہاں ایک شب اور گزرنا چاہیے اور کوئی یہ نہ کہے کہ افطار لرؤیتہ پر عمل تو ہو گیا چاند دیکھ کر افطار کر لیا تھا۔ اب رات میں کھانا نہ کھانا اور اذان کے وقت کھانا اپنا فعل ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ انکار اکل یا عدم اکل پر نہیں بلکہ یہاں عقیدہ میں فساد ہے چنانچہ اس کو روزہ کھولنے سے تعبیر کرنا اس کی دلیل ہے اور یہ زیادت فی الدین نہیں تو کیا ہے۔ ایسے موقع پر تو بالقصد رسم توڑنے کے لیے فجر سے پہلے ہی کھانا چاہیے۔

عمل عقیدہ میں مؤثر ہے

بعض کا خیال یوں ہے کہ عقیدہ بدل دو اور درست کر دو۔ لیکن اعمال کے بدلنے میں عام مخالفت ہوتی ہے۔ اگر عمل باقی رہے جو کہ مباح ہے اور عقیدہ درست ہو جاوے تو کیا حرج ہے لیکن یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ ثابت ہوتا ہے تجربہ سے کہ جیسا کہ عقیدہ کو اثر ہے عمل میں ایسا ہی اس کا عکس بھی ہے۔

نکاح بیوگان پر علماء کے اصرار کی وجہ

ایک مدت تک میں اس خیال میں رہا کہ علماء کیوں پیچھے پڑے ہیں نکاح ثانی[۱] کے جائز ہی تو ہے کیا کیا نہ کیا پھر سمجھ میں آیا کہ حرج صد سے نہیں نکلتا مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے‘ اس لیے رسوم میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے اور میرا یہ مطلب نہیں کہ عید کی شب میں

---

[۱] نکاح ثانی۔ بیوہ کا دوسرا نکاح

کھانا فرض ہے بلکہ اخراج حق کے لیے ایسا کرنے سے ضرور ماجور ہوگا اس کی نظیریں حدیث شریف میں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منع فرما دیا۔ بعضے روغنی برتنوں میں نبیذ[۱] بنانے سے۔ پھر فرماتے ہیں۔ کنت نھیتکم عن الدباء والحنتم فانبذوا فیھا فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرم۔ یعنی پہلے میں نے منع کر دیا تھا اب ان میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے۔ پھر باوجود اس کے بھی منع فرما دیا تھا، صرف وجہ یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں، تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کر سکیں گے اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لیے خمر[۲] سے پورا اجتناب نہ کر سکیں گے اور گنہگار رہیں گے لہٰذا پورے اجتناب[۳] کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلق روک دیا جائے جب طبیعتیں خمر سے بالکل نفور ہو جائیں اور وہ اس نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔

رسوم اور بدعات کے متروک ہونے کا طریقہ

اسی طرح ان رسموں کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اور ان منکرات کو نہیں جانتے جو ان کے ضمن میں ہیں تو ان کی اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ چند روز اصل عمل ہی کو ترک کر دیں اور یہ بات کہ اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہو جائیں سو بہت امکان سے دور ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا ہیں اس کے سوا اور تدبیریں اختیار کرتے پھریں اور جب ایک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً ثابت ہو چکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول[۴] کیا جائے۔

رسم عید کے دن ایک کھانے کی تعیین کی ہے کہ سویاں ہی پکائی جاتی ہیں اس میں ایک مصلحت ہے جس کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس کی تیاری میں زیادہ بکھیڑے کی ضرورت نہیں اور دن عید کا کام کاج کا ہوتا ہے اور مستحب ہے کچھ کھا کر عیدگاہ کو جانا اس لیے سہل الحصول چیز کو اختیار کر لیا۔ بعد ازاں دوست احباب کے یہاں بھیجنے کا رواج ہو گیا اس کی نظیر میں تہادی الی العروس[۵] کو

۱؎ نبیذ۔ وہ کھارا پانی جس میں چھوہارے ڈال کر کے میٹھا بنایا کرتے تھے ۲؎ خمر۔ شراب
۳؎ اجتناب۔ پرہیز کرنا ۴؎ عدول کرنا۔ گریز کرنا، کسی چیز سے ہٹنا۔
۵؎ تہادی الی العروس۔ دولہن کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا۔

پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوا ہے۔ یوں کہتے ہیں کہ جیسے دولہا کے پاس خوشی کا دن دیکھ کر ہدیہ بھیجنا مستحسن ہے اسی طرح عید کا دن بھی خوشی کا ہے، احباب کے پاس کیوں تحفے نہ بھیجے جائیں۔

میں کہتا ہوں مقیس علیہ ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہر چند کہ تہادی الی العروس فی نفسہ محمود زیادتی محبت ہے لیکن واللہ بطریق رسم بھیجنا بغض کو بڑھاتا ہے۔ تجربہ اس پر دال ہے۔ ہاں خلوص کے ساتھ بھیجنے سے محبت بڑھتی ہے جیسا کہ دو دوست آپس میں ہدیہ کبھی کبھی بھیج دیا کریں اور رسم سے تو محبت بڑھتی نہیں۔

رسم سے ہدیہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے

محبت اور خلوص کا جو اعلیٰ فرد ہے اسی کو دیکھئے کہ رسم کو دخل دینے سے کیا حقیقت اس کی رہ جاتی ہے اور وہ فردِ محبت ہے جو پیر و مرید میں ہوتی ہے کہ ایسی کہیں دو شخصوں میں نہیں پائی جاتی کہ جان سے زیادہ عزیز مرید کے نزدیک شیخ ہوتا ہے اور مال تو کیا چیز ہے اور کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں نذر گزرا کرتے ہیں اور اس سے خلوص بڑھ جاتا ہے مگر جب اسی نذر کو رسم قرار دے دیا تو دیکھ لیجئے کہ زمانہ کی پیری مریدی کا کیا حال ہے۔ خلوص تو کیسا جس جگہ پیر صاحب پہنچ گئے مرید آپ آپ کو چھپانے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ چندہ کی فہرست آ پہنچے۔ دعائیں مانگنی پڑتی ہیں۔ کسی طرح پیر صاحب جلدی ٹلیں۔ اب فرمائیے کہ فی نفسہٖ تو شیخ کو ہدیہ دینا موجبِ محبت تھا، یہاں موجبِ بغض کا ہے سے ہو گیا، صرف رسم سے۔ میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ ایک مدت تک انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس خط نہیں بھیجا۔ میں نے ان سے وجہ پوچھی تو کہا میں اس عرصہ میں خالی ہاتھ تھا، فکر میں ہوں کچھ روپیہ کہیں سے مل جائے تو عریضہ لکھوں۔ میں نے کہا اس خیال میں مت پڑو۔ اب تو ضرور بلا ہدیہ خط بھیجو۔ اب دیکھ لیجئے کہ اس عرصہ تک اس خیال نے ان کو استفادہ سے روک دیا۔ فی نفسہٖ حسن ہو مگر قید رسم سے قبیح آ گیا، ایسے ہی عید کے دن کے ہدیے ہیں۔

لے مقیس علیہ۔ وہ بات جس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کیا جائے۔ لے فی نفسہٖ۔ بذات خود

اس زمانہ کا ہدیہ اقراض ہے

اور اگر نہ لیجیے تو ان ہدایا کو قرض دینے کا، کیونکہ دیتے وقت یہ ضرور نیت ہوتی ہے کہ اس کے یہاں سے بھی آئے گا۔ اور اگر ایک مرتبہ نہ آئے تو دوسرے بھی بند ہو جاتا ہے اور ہدیہ کی تعریف میں بلا عوض کی شرط ماخوذ ہے پس نہ ہدیہ بھی نہ رہا۔ پھر قرض دار ہونے سے یا قرض دار کرنے سے کیا فائدہ؟

حاصل یہ کہ جن اعمال میں فساد ہے ان اعمال سے ہی اجتناب چاہیے۔ ذرا سی خوبی کو دیکھ کر بڑے بڑے منکرات میں پڑ جانا عقل سے بعید ہے۔

تمام وعظ کا خلاصہ

اب بیان ختم کرتا ہوں اور اصل مقصود کا خلاصہ پھر مختصرا اعادہ کرتا ہوں، کہ روزہ رکھا مگر پیٹ حرام سے بھرا اور دن کو بھی غیبت وغیرہ میں مبتلا رہے تو یہ روزہ کس شمار میں ہے۔

حاصل یہ کہ روزہ کے آداب سیکھو اور عورتوں کو بھی سکھاؤ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "کم من صائم وقائم" الحدیث۔ یعنی بہت سے روزہ رکھنے والے اور قیام لیل کرنے والے وہ ہیں کہ ان کی بھوک اور پیاس کی طرف اللہ میاں کو کچھ حاجت نہیں اور آداب کے موافق اگر ختم کر لیا تو اس کے حق میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "یشفعان"۔

یعنی روزہ نماز دونوں شفاعت کریں گے پس اس شخص کے ساتھ دو محافظ موجود ہوں گے عذاب سے بچانے کے لیے۔ پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس کے دو محافظ ہر وقت موجود ہوں کیا اس کی نجات نہ ہوگی۔ خدائے تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرماویں۔

والسلام